بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظـــــــرات

خواتین ہمیشہ سے جس ظلم و زیادتی کا شکار رہی ہیں اور ان کو جس طرح ان کے حقوق سے محروم رکھا گیا ہے اس کے خلاف ان میں رد عمـــل اور اپنے حـقوق کے حصول کیلئے جدوجہد کی تحریک کا پیدا ہونا بالکل ایک فطری بات ہے۔ ۱۹۷۵ء میں خواتین کی یہ عالمی تحریک اپنے عـروج کو پہنچ گئی اور اقوام متحدہ نے ۱۹۷۵ء کو خواتین کا عالمی سال قرار دیا ۔ اس سال خواتین کی ایک عالمی کانفرنس بھی منعقد ہوئی جس میں چھ ہزار خواتین نے حصہ لیا اور بلا لحاظ رنگ ، نسل ، وطن اور مذہب تمام اقوام کی خواتین نے اس سلسلے میں اپنے اتحاد کا اظہار کیا ۔ اس وقت سے ہر سال ۸ مارچ کو خواتین کا عالمی دن منایا جاتا ہے جس میں مسلم خواتین سمیت تمام دنیا کی خواتین حصہ لیتی ہیں اور اپنے حقوق کے تعین اور تحفظ کی جدوجہد کرتی ہیں ۔ لیکن اس تحریک میں مسلم خواتین کی شرکت کی نوعیت بالکل مختلف ہونی چاہیئے ۔ مسلم خواتین کو اگر وہ حقوق حاصل نہ ہوں جو اسلام نے ان کو عطا کئے ہیں تو انہیں ان حقوق کی بحالی کی جدوجہد کرنی چاہیئے ۔ ساتھ ہی ان کو غیر مسلم خواتین کی توجہ اس تاریخی حقیقت کی طرف مبذول کرانی چاہیئے کہ اسلام نے چودہ سو سال قبل خواتین کے جو حقوق متعین کئے ہیں ان سے بہتر حقوق کا تصور ممکن

نہیں ہے۔ نیز ان کو یہ بھی باور کرانا چاہیے کہ آج غیر مسلم خواتین کو جو حقوق حاصل ہیں اور وہ جن مظالم اور زیادتیوں سے محفوظ ہیں وہ بھی زیادہ تر اسلامی تعلیمات ہی کے اثرات کی وجہ سے ہے۔

ظہور اسلام سے قبل دنیا بھر میں خواتین کی حالت نہایت قابل رحم تھی ۔ ہندومت کے لوگ چونکہ عورت کا مستقل وجود تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک عورت کا وجود مرد کے تابع ہے اسی لئے شوہر کی وفات کے بعد اس کی بیوی کو آگ میں جلا دیا جاتا تھا اور یہ ستی کسی رسم کہلاتی تھی ۔ ہندؤوں میں آج بھی بیوہ عورت کو منحوس اور پاپ تصور کیا جاتا ہے اور اکثر اس کو گھر والوں سے دور رکھا جاتا ہے۔

ہندوستان میں عورت کے لئے حصول علم کی ممانعت تھی ۔ ہندوستان اور مصر میں حسین دوشیزاؤں کو بتوں کے نام پر بھینٹ چڑھایا جاتا تھا ۔ مصر میں جب دریائے نیل چلنا بند ہو جاتا تو وہاں کے لوگ کسی حسین دوشیزہ کو دریا کی بھینٹ چڑھاتے تھے ۔ عیسائی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ عورت کی روح نہیں ہوتی ۔ اسی لئے وہ عورت کے مستقل وجود کے قائل نہیں ۔ عیسائی خواتین اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنی کوئی چیز نہ بیچ سکتی تھیں نہ کسی کو ہدیہ کے طور پر دے سکتی تھیں ۔ عورتوں سے سخت محنت و مشقت کے کام لئے جاتے تھے اور ان کو بے دریغ مارا پیٹا جاتا تھا ۔ عربوں میں بچی کی پیدائش کو توہین خیال کیا جاتا تھا اور باپ رنجیدہ ہو کر اپنی قوم سے منہ چھپاتا پھرتا تھا اور سوچتا تھا کہ ذلت برداشت کرکے بچی کو زندہ رہنے دے یا مٹی میں دبا دے ۔ بعض قبائل بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے ۔ عرب میں کسی شخص کی وفات کے بعد اسکی بیویاں مال وجائیداد کی طرح وراثت میں تقسیم کی جاتی تھیں اور اس کے بیٹے اپنی سوتیلی ماؤں سے یا تو خود

نکاح کر لیتے تھے یا جس سے چاھتے زبردستی انھیں بیاہ دیتے تھے ۔ خواتین کو مارنے پیٹنے کا رواج بھی عام تھا ۔ لوگ بار بار طلاق دے کر واپس لے لیا کرتے تھے اور کبھی ایسا کرتے کہ نہ طلاق دیتے اور نہ معروف طریقے سے اپنے گھر میں رکھتے ۔ خواتین کو دنیا بھر میں کہیں بھی وراثت میں حصہ نہیں ملتا تھا ۔ یہاں تفصیلات کا موقعہ نہیں ہے لیکن جو کچھ بیان کیا گیا اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خواتین ھر جگہ ظلم و زیادتی کا شکار تھیں ۔

اللہ تعالی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں والوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا تو صنف نازک پر بھی رحمت ھوئی ۔ لوگوں کو بتایا گیا کہ وہ سب ایک ھی نفس سے پیدا کئے گئے اور اسی سے انکا جوڑا بنایا گیا اور پھر اس جوڑے سے آگے نسل چلی ۔ اس کا مطلب یہ ھوا کہ عورت اور مرد دونوں کا مستقل وجود ہے ۔ اپنی تخلیق کے اعتبار سے بھی دونوں ایک جیسے ھیں اور آگے نسل پھیلانے میں بھی دونوں شریک ھیں ۔ شادی کو ایک معاھدہ قرار دیا گیا جو طلاق اور خلع کے ذریعے منسوخ بھی ھو سکتا ہے ۔ بیوہ خواتین کی شادی کی تاکید کی گئی ۔ عورتوں کی ناحق جان لینے کو جرم قرار دیا گیا اور مال و جائیداد کی طرح عورتوں کو وراثت کے طور پر حاصل کرنے کی ممانعت کی گئی ۔ مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کا لباس بتایا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کی زیب و زینت ، ایک دوسرے کے عیب چھپانے والے اور محافظ وغیرہ ھیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچیوں کی پرورش اور تربیت کو جنت میں اپنے قرب کا ذریعہ بتایا ۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت کی بشارت دی ۔ آدمی کی بہتری کا معیار اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کو قرار دیا گیا ۔ خواتین کی مارپیٹ کی ممانعت کی

گئی ۔ شوھر کو حسب حیثیت بیوی کے اخراجات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ۔ مرد کی اقتصادی ذمہ داری اور اس کی جسمانی اور ذھنی قوت کی وجہ سے اس کو عورتوں کے سربراہ کا درجہ دیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ مرد عورت کی کفالت ، حفاظت اور خدمت کا ذمہ دار ہے اور عورت پر مرد کی فرمانبرداری لازم ہے ۔ خواتین کو مال وراثت میں حصہ دار قرار دیا گیا ۔ مہر کی ادائیگی شوھر پر لازمی قرار دی گئی ۔ عورتوں کی طلاق کی حد تین مقرر کی گئی اور عورتوں کے ساتھ یہ سلوک کہ نہ ان کو طلاق دی جائے اور نہ ان کے حقوق ادا کئے جائیں قانونی جرم قرار دیا گیا ۔ ایک سے زائد شادیوں کی صورت میں تمام بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک کی تاکید کی گئی ۔خواتین کو خلع کا حق دیا گیا ۔ ان کو یہ حق بھی دیا گیا کہ وہ شوھر سے بچوں کو دودھ پلانے کا معاوضہ لے لیں ۔ خواتین کو نہ صرف یہ کہ علم کے حصول کی اجازت دی گئی بلکہ مردوں کی طرح علم کا حصول خواتین پر بھی فرض کیا گیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کی تعلیم کیلئے مختلف اقدامات کئے مثلاً ھفتے میں ایک روز آپ خواتین کو اسلامی احکام کی تعلیم دیتے اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے ۔ یہ ھیں چند مثالیں ان حقوق ومراعات کی جو اسلام میں خواتین کو حاصل ھیں ۔ خواتین سے متعلق اسلام نے جو نظریات پیش کئے اور حقوق عطا کئے اس کو دیکھ کر بعض لوگ یہ کہتے ھیں کہ اسلام میں مردوں کی نسبت خواتین کو زیادہ حقوق دیئے گئے ھیں ۔

اسلامی تعلیمات اور مسلم حکومتوں کے زیر اثر غیر مسلم قوموں میں بھی خواتین پر ظلم کی بہت سی صورتوں کا خاتمہ ھوا اور ان کو کچھ حقوق ملے مثلاً اب خواتین کو دیوتاؤں یا دریاؤں کی بھینٹ نہیں چڑھایا

جاتا - ہندؤوں میں شوہر کی وفات کے بعد اس کی بیوی کو اب زندہ نہیں جلایا جاتا ۔ بچیوں کو افلاس یا عار کی وجہ سے اب زندہ دفن نہیں کیا جاتا - ہندوؤں میں کہیں کہیں بیوہ عورتوں کی دوسری شادی بھی ہونے لگی ہے ۔ انگلستان کی پارلیمنٹ نے کچھ سال پہلے خواتین کو یہ حق دے دیا ہے کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہیں ۔

ان تمام حقوق کے مقابلے میں جو اسلام نے خواتین کو عطا کئے ہیں آج کل بعض خواتین اپنا سب سے بڑا حق اس بات کو تصور کرتی ہیں کہ انہیں گھروں سے باہر مردوں کے ساتھ مل کر دفتروں وغیرہ میں کام کرنے کی آزادی دے دی جائے ۔ بعض لوگ خواتین کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ملک کی نصف آبادی بے کاری پڑی ہے اور خواتین کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ گھروں سے باہر نکل کر ملکی ترقی میں حصہ لیں۔

اپنے بارے میں یہ رائے اور نصیحت سن کر بعض خواتین میں احساس کمتری پیدا ہوتا ہے اور ان کو ملازمتوں کیلئے گھر سے باہر نکلنے کا شوق اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے ۔ یہ دراصل ایک سراب ہے جو خواتین کو دکھایا جا رہا ہے ۔ ایسے لوگوں کے نزدیک کام غالباً صرف اس کا نام ہے جو مرد کرتے ہیں ۔ جو کچھ خواتین کرتی ہیں وہ ان کے نزدیک کام میں شمار نہیں ہوتا یا پھر ایسے لوگ خواتین کو باہر نکال کر مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول کی وہ فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں جو یورپ میں پائی جاتی ہے اور جس سے یورپی معاشرہ اب خود بھی پریشان اور بیزار ہے ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ خواتین پر مشتمل ملک کی نصف آبادی جو کام کرتی ہے اس میں مردوں کے کام کے برعکس تنوع بھی ہے اور وہ ہمہ وقتی

بھی ہے اور صبر آزما بھی ۔ گھر جو میاں بیوی اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے دراصل معاشرے کا یونٹ یا اکائی ہے جس سے انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور خاتون خانہ اس یونٹ کی بہبود میں حصہ لے کر معاشرہ کی مجموعی بہبود میں اپنا عظیم کردار ادا کرتی ہے ۔ وہ اس یونٹ کی اقتصادیات کو کنٹرول کرتی ہے ، بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت کرتی ہے ، گھر کا کام اور انتظام کرتی ہے اور مرد کو آسودگی فراہم کرکے اس کی مستعدی کا سبب بنتی ہے ۔ مرد کو آسودگی فراہم کرکے وہ مردوں پر مشتمل اس نصف آبادی کے کام میں بھی بالواسطہ حصہ لیتی ہے جس کو کہ حقیقی کارکن تصور کیا جاتا ہے ۔ درحقیقت خواتین کا ایک ہی کام یعنی بچوں کی پرورش و تربیت مردوں کے بہت سے کاموں پر بھاری ہے ۔ اگر کسی مرد کو خواہ وہ کتنا ہی ماہر فن بلکہ ماہر اطفال (Child Specialist) ہی کیوں نہ ہو ایک رات بھی بچے کی دیکھ بھال کرنی پڑے اور بچہ کسی وجہ سے روئے پیٹے اور تنگ کرے تو مرد چند بار تو اسے بہلائے گا ۔ پھر ڈانٹے گا ۔ اس کے بعد تھپڑ مار دے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ بالآخر اسے اپنے پاس سے دور دھکیل دے ۔ جو لوگ گھریلو امور کی انجام دھی کو کام شمار نہیں کرتے اور گھر سے باہر کے کاموں کو کام سمجھتے ہیں انہیں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ ملک کی اسی فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے اور دیہاتی خواتین کھیتی باڑی میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی ہیں ، دودھ دوھتی بلوتی ہیں ، جانوروں کی دیکھ بھال کرتی ہیں ۔ اس طرح ملکی معیشت میں وہ عظیم کردار ادا کرتی ہیں ۔

جو لوگ خواتین کے کام کا مقابلہ مردوں کے کام سے کرکے خواتین کو بے کار بتاتے ہیں ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ

سائیکل بے کار ہے اسلئے کہ وہ ٹرک جتنا بوجھ نہیں اٹھاتی ۔ ان کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر سائیکل ٹرک جتنا بوجھ نہیں اٹھاتی تو ٹرک بھی تنگ گلیوں ، سڑکوں اور پگڈنڈیوں میں چل کر لوگوں کے ان کاموں میں مدد نہیں دے سکتا جن میں سائیکل مدد دیتی ہے ۔ سائیکل کا اپنا کام ہے اور ٹرک کا اپنا ، یہ معقول بات نہیں کہ بناوٹ تو مختلف ہو مگر دونوں سے توقع ایک جیسے کام کی کی جائے ۔ اگر مقابلہ اسی انداز سے کرنا ہے تو پھر مردوں کی نصف آبادی بھی بیکار ہے اس لئے کہ مردوں کی یہ آبادی خواتین کی طرح بچوں کی پرورش و تربیت اور گھریلو امور کی انجام دھی میں حصہ نہیں لیتی ۔

جن خواتین پر چھوٹے بچوں کی ذمہ داری ہو اور وہ مالی اعتبار سے آسودہ حال ہوں ان کیلئے تو یہی مناسب ہے کہ وہ اپنی ساری سرگرمیاں اپنے گھر تک محدود رکھیں ورنہ قومی امور میں ان کی یہ شرکت عموماً منفی نتائج پیدا کرے گی ۔ اس کو مثال سے یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ فرض کیا کہ ہر عورت کو چھ سو روپے ماہوار کی آمدنی ہوتی ہے ۔ ان میں اکثریت ایسی خواتین کی ہوگی جنکا کم از کم ایک بچہ چھوٹا ہوگا۔

اب جب ماں باپ دونوں گھر سے باہر نکلیں گے تو بچے کی دیکھ بھال اور گھر کے کام کیلئے ان کو کوئی خادمہ رکھنی پڑے گی جس کی کم و پیش تین سو روپے ماہوار تنخواہ ہوگی ۔ اس کے علاوہ کچھ رقم اس کے کھانے پر بھی صرف ہوگی ، پھر ملازمت کرنے والی خاتون کو اپنی آمدورفت اور چائے وغیرہ پر بھی کچھ خرچ کرنا پڑے گا ، تو جو کچھ کمایا تھا وہ تو خرچ ہو گیا ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ گھر سے باہر نکل کر خاتون خانہ کو ، پورے گھر کو اور معاشرے کو کیا ملا ۔ بچہ ماں کی شفقت اور تربیت سے محروم رہا بلکہ بعض دفعہ تو خادمہ کی طرف سے

اس کو ماربیٹ کی سختی بھی برداشت کرنی پڑی اور وہ بچے کے حصے کا دودھ بھی پی گئی ۔ ماں اپنے بچے کی فکر اور پریشانی میں مبتلا رہی ۔ گھریلو امور کی باقاعدہ انجام دھی کرکے خاتون خانہ اپنے شوھر کو جو آسودگی فراھم کر سکتی تھی اس سے قاصر رھی ، غرضکہ گھر کا نظام درھم برھم ھوا ، گھر کی اقتصادیات میں بے قاعدگی پیدا ھوئی ، بچے کی تربیت ناقص رھی اور اس طرح معاشرے کے ایک یونٹ کے متاثر ھونے سے بالواسطہ پورے معاشرے پر اثر پڑا ۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر ماں باپ اولاد سے دور رھتے ھیں تو اولاد کو ماں باپ سے وہ محبت اور تعلق پیدا نہیں ھوتا جو ماں باپ کے قریب رھنے سے پیدا ھوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں بوڑھے ماں باپ کو علیحدہ آبادیوں میں رکھا جاتا ہے اور اولاد ان سے شاذ و نادر ھی ملتی ہے ۔

اپنی گھریلو ذمہ داریوں کی موجودگی میں گھر سے باھر قومی ذمہ داریوں سے دور رھکر خواتین خود بھی کام کے بوجھ سے پریشان نہیں ھونگی اور جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے معاشرے کو بھی ان کی بیرونی سرگرمیوں کی نسبت ان کی گھریلو سرگرمیوں سے زیادہ فائدہ پہنچے گا ۔ یورپ کی خواتین تو کام کے بوجھ سے چلا ھی رھی ھیں ۔ ان کو یہ شکایت ہے کہ گھر کا کام بھی ان کے ذمے ہے اور باھر کا بھی ۔ اب بعض پاکستانی خواتین بھی یہ کہتی سنی جاتی ھیں کہ صبح کو مارکیٹ بھی ھمیں ھی جانا پڑتا ہے شوھراور بچوں کےناشتے کا انتظام اور بچوں کو اسکول پہنچانا بھی ھمارے ذمہ ہے اور پھر اپنی ملازمت سے واپس آکر گھر کی بقیہ ذمہ داریاں بھی ھمیں ھی پوری کرنی پڑتی ھیں اور مرد ھمارا ھاتھ نہیں بٹاتے ۔ مشاھدات و تجربات کی بنیاد پر یہ بات اچھی طرح

خواتین کے ذھن نشین ھوگئی ھوگی کہ اگر مرد ایک بار عورت کو گھر سے نکلنے کی اجازت دے دیتا ہے تو پھر وہ عام طور پر ساری ذمہ داریاں اسی پر ڈال دیتا ہے۔ اس لئے یہ بات خود خواتین کے حق میں ہے کہ وہ بغیر کسی مجبوری کے گھر سے نکل کر بیرونی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے سر نہ لیں۔

البتہ جو خواتین مالی اعتبار سے مجبور ھوں یا جن کی گھریلو ذمہ داریاں زیادہ نہ ھوں وہ کوئی ایسا مشغلہ اختیار کر سکتی ھیں جس سے ان کی مالی مشکلات کا تدارک ھو سکے اور ملک کو بھی فائدہ پہنچے۔ مسلم خواتین کے بارے میں لکھی گئی کتابوں مثلاً اسوۂ صحابیات، گلدستۂ نازنیناں اور حور مقصورات وغیرہ کے مطالعہ سے ایسی ھزاروں خواتین کے حالات کا پتہ چلتا ہے جو ماضی میں علمی اور فنی سرگرمیوں اور دیگر قومی امور میں حصہ لیتی رھی ھیں اور اپنے علمی اور فنی کمالات کا مظاھرہ کرتی رھی ھیں مثلاً خلیفہ مامون الرشید کی بیگم بوران زبردست عالمہ تھی، اس کو یونانی اور لاطینی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ اس نے فلسفۂ یونان کی کئی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔

وہ علم فلکیات کی ماھر بھی تھی اور رصدگاہ میں سائنسی آلات کے ذریعہ اجرام فلکیہ کا مشاھدہ کرتی تھی۔ پانچویں صدی ھجری میں ایک خاتون سیدہ فخرالنساء جامع مسجد بغداد میں حاضرین کی کثیر تعداد کے سامنے علم کلام، شاعری اور ادب پر بڑے بلیغ انداز میں خطبے دیا کرتی تھی جن کی وجہ سے اس کو فخرالنساء کا خطاب مل گیا تھا۔ چھٹی صدی ھجری کی ایک خاتون شھدہ حدیث، تاریخ اور ادب میں اتنی ماھر تھی کہ اس دور کا بغداد کا کوئی عالم ایسا نہ تھا جس نے اس کی شاگردی نہ کی ھو۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب

الاصابہ میں ایسی سینکڑوں خواتین کا تذکرہ کیا ہے جو حدیث کی عالمہ تھیں ، اندلس کے شہر قرطبہ میں ہزاروں خواتین خطاطی یعنی خوشنویسی کا فن جانتی تھیں اور خطاطی کے ذریعے اپنی معاشی بہتری کا سامان کرتی تھیں ۔ اندلس ھی کے مشہور طبیب اور سائنسدان ابن زھر کی بہن اور بھانجی ڈاکٹر تھیں اور امراض نسواں میں ان کو خصوصی مہارت حاصل تھی ۔ فرمانروائے اندلس منصور کی خواتین کا علاج انہیں کے سپرد تھا ۔

قدیم علماء جو علمی ترقی حاصل کرتے تھے اس میں بہت دفعہ ان کی ماؤں بہنوں اور بعض دیگر خواتین کا بہت دخل ہوتا تھا ۔ مؤرخ دمشق امام حافظ ابن عساکر نے جن اساتذہ سے فن حدیث حاصل کیا تھا ان میں اسی سے زیادہ خواتین تھیں ۔ حافظ ابن حجر متعدد ایسی خواتین کا ذکر کرتے ھیں جن سے انہوں نے علم حاصل کیا ۔

شریعت کی رو سے ایک نامحرم مرد اور عورت کا تنہائی میں ایک جگہ جمع ہونا ممنوع ہے ۔ قدیم مسلم معاشرے میں کبھی بھی مخلوط تعلیم وغیرہ کا رواج نہیں رہا ہے بلکہ خواتین کیلئے ادارے علیحدہ ہوتے تھے ،مثلاً مصر میں سلطان صلاح الدین کے قائم کردہ شفاخانے میں خواتین کیلئے ایک علیحدہ حصہ مخصوص تھا جہاں مریض خواتین کے علاج اور خدمت کیلئے خواتین ھی ڈاکٹر اور نرسیں مقرر تھیں ۔ اگر حصول علم وغیرہ کیلئے مردوں اور خواتین کا رابطہ ناگزیر ہوتا تو حتی الامکان خواتین پس پردہ بیٹھتیں ۔ مثال کے طور پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس جو لوگ علمی استفادے کیلئے آتے وہ ان کے حجرے کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھ جاتے اور ام المؤمنین دروازے پر پڑے ہوئے پردے کے پیچھے بیٹھ کر ان کے سوالات کے جواب دیتیں ۔ اگر مسجد میں

باجماعت نماز کی ادائیگی ، اشیاء کی خریداری یا کسی سے ملاقات وغیرہ کے سلسلے میں خواتین کو گھر سے باہر نکلنا پڑتا تو وہ سادگی کے ساتھ چادریں وغیرہ اوڑھ کر نکلتی تھیں کیونکہ قرآن کریم میں خواتین کیلئے یہ حکم ہے کہ وہ نامحرم مردوں کے سامنے اپنی زیب و زینت کا مظاہرہ نہ کریں ۔

مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول کی وجہ سے یورپ کو جو تلخ تجربہ ہوا ہے پاکستان کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے ۔ اس آزادی کے نتیجے میں یورپ کو لاکھوں ناجائز بچوں کی کفالت اور سالانہ ہزاروں طلاقوں وغیرہ کے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اہل یورپ کی ازدواجی اور گھریلو زندگی برباد ہو کر رہ گئی ہے ۔

اسلام نے خواتین کیلئے جو حدود مقرر کی ہیں ان میں رہتے ہوئے وہ گھروں سے باہر نکل کر اپنے ضروری امور انجام دے سکتی ہیں تاکہ ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں اور جنسی محرکات فراہم نہ ہونے کی وجہ سے معاشرے میں فساد بھی پیدا نہ ہو ۔ اب یہ جو بعض خاندانوں میں خواتین پر پردے کی اتنی سختی کی جاتی ہے کہ وہ بیمار بھی ہوں تو ان کو کسی معالج مرد کو نہیں دکھایا جاتا اور ان کو سفر بھی کراتے ہیں تو رات کی تاریکی میں کراتے ہیں ۔ اس طرح خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور اپنی خواتین کی تکلیف کا بھی سبب بنتے ہیں اور اپنے رواج کی وجہ سے خواتین پر بلاوجہ وہ پابندیاں عائد کرتے ہیں جو اسلام نے ان پر عائد نہیں کیں ۔ اسلام ہر معاملے میں اعتدال و توازن سکھاتا ہے ۔ مشاہدہ و تجربہ ہے کہ اعتدال سے ہٹ کر جب کبھی کسی ایک انتہا کو اختیار کیا جاتا ہے تو پھر اس کے رد عمل کے طور پر کسی وقت اس کے متضاد دوسری انتہا کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ غالباً یہی وجہ

ہے کہ بعض خواتین جو سخت قسم کے رواجی پردے میں رکھی جاتی تھیں جب کسی طرح ان کو باہر نکلنے کا موقع ملا تو اس سخت رواجی پردے کے خلاف رد عمل کے طور پر وہ دوسری انتہا کو پہنچ گئیں اور اعتدال کا راستہ چھوڑ کر آزادی کچھ زیادہ ہی اختیار کر لی ۔

اگر خواتین کے ادارے علیحدہ ہوں اور ان کی منتظمہ صرف خواتین ہوں تو اس سے یہ فائدہ پہنچے گا کہ ان کے معاملے میں مرد اپنی من مانی نہیں کر سکیں گے اور ان کو مردوں سے وہ شکایت پیدا نہیں ہو گی جو یورپ کی خواتین کو مردوں سے عموماً رہتی ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ مرد عام طور سے حسین اور جوان لڑکیوں کو ملازمت دیتے ہیں اور جب حسن و جوانی رخصت ہونے لگتی ہے تو ملازمتوں سے علیحدہ کر دیتے ہیں ۔

خواتین کی بے پردگی اور آزادی سے خود انہی کو زیادہ نقصان پہنچتا ہے ۔ مردوں کو جب قدم قدم پر دوسری خواتین سے ملنے کے مواقع میسر آتے ہیں تو قدرتی طور پر بیویوں کی طرف زیادہ کشش نہیں رہتی ۔ یہی حال خواتین کا بھی ہوتا ہے ۔ اگر غیر مردوں سے میل جول زیادہ ہوتا رہے تو شوہروں کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے ۔ اس صورت حال کی وجہ سے ازدواجی زندگی خوشگوار نہیں رہتی ۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کی شادیوں پر بھی آزادی کا بڑا اثر پڑتا ہے ۔ مخلوط تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والی اور مخلوط دفاتر میں کام کرنے والی لڑکیوں سے شادی کیلئے لڑکے اکثر تیار نہیں ہوتے اور شادی کیلئے گھریلو قسم کی لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں ۔

اسلام نے خواتین کو عزت و عظمت کا جو مقام عطا کیا ہے اس کا مظاہرہ مسلم معاشرے میں ہوتا رہا ہے لیکن موجودہ معاشرے میں یہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ خواتین جتنا زیادہ بیرونی سرگرمیوں میں حصہ

لے رہی ہیں اسی قدر ان کی عـزت و عظمت میں کمی آ رہی ہے ۔ چنانچہ بعض دکاندار ، بسوں کے بعض ڈرائیور اور کنڈکٹر وغیرہ اکثر خواتین کے ساتھ غیر مہذب رویہ اختیار کرتے ہیں ۔ اس کے علاوہ بعض خواتین اشتہارات میں حصہ لے کر اپنی عـزت و وقار کو خود ٹھیس پہنچا رہی ہیں ۔ اپنی تجارت کے فـروغ کیلئے اہل یورپ اشتہارات میں کثرت سے خواتین کی نمائش کرتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے ہمارے ملک میں بعض لوگ بندر اور ریچھ وغیرہ کے تماشے یا نام نہاد جادو کے بعض کرتبوں کے ذریعے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرکے اپنی اشیاء کا اشتہار دیتے ہیں ۔ خواتین کی عزت و وقار کا تقاضا ہے کہ وہ اشتہارات وغیرہ کے ذریعے اپنی نمائش کرکے اپنی عزت و وقار کو مجروح نہ کریں ۔

خواتین کے سلسلے میں دوسری بات جس کو ملحوظ رکھنا ضـروری ہے یہ ہے کہ خواتین کیلئے ان کی مخصوص صـلاحیتوں کے مطابق مشاغل فراہم کئے جائیں ۔ بعض کام ایسے ہوتے ہیں جنہیں مـرد ہی کرسکتے ہیں اور بعض کام صـرف خواتین ہی کر سکتی ہیں ۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے کام انجام دیں تو پورے معاشـرے کا کام مکمل ہو سکتا ہے۔ مثلاً بہت زیادہ محنت و مشقت کے کام خواتین نہیں کر سکتیں ۔ اسی طرح زچہ بچہ کے مراکز میں مـرد کام نہیں کر سکتے ۔ اس لئے یہ مناسب نہیں کہ خواتین بغیر سوچے سمجھے ہر اس جگہ کام کریں جہاں مرد کرتے ہیں ۔ چونکہ خواتین کی تعلیم ضـروری ہے اس لئے خواتین معلمات بنیں۔خواتین کے عـلاج کیلئے خواتین کو ڈاکٹر اور نرس بھی بننا چاہیئے ۔ اسی طرح مختلف گھریلو صنعتوں میں بھی خواتین حصہ لے سکتی ہیں ۔ خواتین کیلئے یہ بات زیادہ مناسب ہے کہ مختلف فرمـوں اور کارخانوں کی

طرف سے ان کو گھروں پر ھی کوئی صنعتی کام فراھم کر دیا جائے اور کیا ھوا کام گھروں سے ھی واپس لے لیا جائے جیسے جاپان وغیرہ مین یا محدود پیمانے پر پاکستان کے بعض شہروں میں بھی ھوتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ھوگا کہ وہ خواتین جو گھر سے باھر جاکر مستقل وقت نہیں دے سکتیں وہ اپنے فرصت کے اوقات میں گھروں پر ھی کام کر لیا کریں گی۔

قدیم مسلم معاشرے میں بھی خواتین اپنی مخصوص صلاحیتوں کے مطابق ھی کام کرتی تھیں مثلاً وہ قرآن ، حدیث،عروض ، طب اور ریاضی وغیرہ علوم کی تدریس و تحقیق کرتی تھیں ۔ زنانہ ھسپتالوں میں علاج معالجہ وغیرہ کا کام کرتی تھیں ۔ خطاطی (خوشنویسی ، کڑھائی) بنائی وغیرہ میں حصہ لیتی تھیں ۔

یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ موجودہ مسلم معاشرے میں خواتین کو وہ حقوق حاصل نہیں جو اسلام نے ان کو عطا کئے ھیں مثلاً بعض مرد کئی کئی شادیاں کرتے ھیں مگر کسی ایک بیوی کے ھو کر رہ جاتے ھیں اور دوسری بیویوں کو ھر طرح نظر انداز کرتے ھیں ۔ بعض لوگ ناراضگی کی بنا پر بیوی کو نہ تو قاعدے کے مطابق گھر میں رکھتے ھیں اور نہ طلاق دے کر رخصت کرتے ھیں اور عورتیں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے عدالت سے انصاف بھی حاصل نہیں کر سکتیں ۔ بعض گھرانوں میں ھندو سوسائٹی کی طرح بیوہ عورت کو منحوس اور کمتر تصور کیا جاتا ہے اور اس لئے اس کے ساتھ بہت نا مناسب برتاؤ روا رکھا جاتا ہے۔

کہیں کہیں بیوہ یا مطلقہ کی شادی کو بہت بڑا عیب تصور کیا جاتا ہے اور اس کی ساری عمر پریشانیوں میں گزر جاتی ہے۔ بعض جگہ ادلے بدلے کی شادیوں کا رواج ھوتا ہے اور اس لئے بعض دفعہ نوخیز لڑکیوں کو ستر اسی سال کے بوڑھے سے بیاہ دیا جاتا ہے اور کہیں جوان لڑکی کا

رشتہ دودھ پیتے بچے سے کر دیا جاتا ہے کہ جب وہ جوان ہوگا تو شادی کر دی جائے گی ۔ اکثر اولاد نہ ہونے یا صرف بچیوں کے پیدا ہونے پر عورت کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے اور مرد کی دوسری شادی کا فکر کیا جاتا ہے۔ خواتین کے ساتھ یہ زیادتیاں عام طور سے خواتین ہی کرتی ہیں ۔ بہت سے مرد بیویوں کو خادمہ سے بھی کمتر تصور کرتے ہیں،ان پر حکومت جتاتے ہیں اور ان سے شائستگی کے ساتھ پیش نہیں آتے ۔

ان حقوق کی بحالی کیلئے جو اسلام نے خواتین کو دیئے ہیں سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تمام لوگ خصوصاً خواتین ان حقوق اور ان احکام سے واقف ہوں جو خواتین کے سلسلے میں دیئے گئے ہیں ۔ حقوق اور احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے بھی خواتین بعض زیادتیوں کا شکار ہوتی ہیں ۔ اس کے علاوہ عدالتوں میں خواتین کی شکایات سننے اور کم از کم وقت میں ان کی شکایات کو رفع کرنے کا انتظام کرنا چاہیئے ۔ مزید برآں سرکاری اور نجی سطح پر خواتین سے متعلق ایسی پالیسی وضع کی جانی چاہیئے جس کی وجہ سے ان کو اپنی مخصوص صلاحیتوں کے مطابق اور اپنے آزادانہ علیحدہ نظام کے ذریعہ قومی امور میں شرکت کے مواقع فراہم ہو سکیں ۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے سے پہلے خواتین سے متعلق اسلامی تعلیمات اور قدیم معاشرے میں ان کے کردار کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی روشنی میں موجودہ حالات کیلئے ایسی پالیسی وضع کی جا سکے جو مسلم خواتین کیلئے مناسب اور ضروری ہو ۔ اس مقصد کیلئے قرآن،وحدیث،سیرت طیبہ اور مسلم خواتین پر لکھی جانے والی کتابوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا ۔ دنیا میں ایسی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن میں ہزاروں مسلم خواتین کے حالات زندگی ان کی علمی اور فنی خدمات اور قومی امور میں ان کی شرکت کے

طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خواتین کے امور سے متعلق عملی اقدامات تجویز کرنے کا کام ویمن ڈویژن (WOMEN DIVISION) کر سکتی ہے جس کو حکومت پاکستان کی طرف سے خواتین کے امور کیلئے قائم کیا گیا ہے۔ (مدیر)

●●●●